158

اردو غزل کی اوّلین صف کا شاعر : ولی

ڈاکٹر شیخ آفاق انجم

نوتن مراٹھا کالج، جلگاؤں

محمد حسین آزاد نے ولی کو اردو غزل کا باوا آدم کہاں ہے۔ وہ اپنی تصنیف آب حیات میں ولی کے تعلق سے یوں رقمطراز ہیں -----

"یہ نظم اردو کی نسل کا آدم جب ملک عدم سے چلا تو اس کے سر پر اولیت کا تاج رکھا گیا، جس میں وقت کے محاورے نے اپنے جواہرات خرچ کیے اور مضامین کی رائج الوقت دستکاری سے مینا کاری کی۔"

اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایک طویل عرصے تک ولی کو اردو کا پہلا غزل گو شاعر تسلیم کیا جاتا رہا، لیکن بعد میں تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا کہ اردو غزل کا آغاز ولی سے پہلے امیر خسرؔو سے ہی ہو چکا تھا۔ ولی کے سر پر اولیت کا تاج اس اعتبار سے رکھا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کی روایات ترتیب دیں، زبان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارا اور غزل کے اظہار کے موضوعات کا تعین کیا جو صدیوں تک غزل کا لازمہ سمجھے جاتے رہے ہیں۔ ولی سے قبل اردو غزل صرف حُسن و عشق، ناز و ادا، جسم و جنس اور خارجی پہلوؤں تک محدود تھی، اس میں کسی گہرے تجربے اور احساس یا حیات و کائنات کے شعور کی کارفرمائی نہیں تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ولی کے عہد تک اردو زبان کی اہمیت اور شیرینی کو قبول نہیں کیا گیا تھا۔ اہلِ ادب اور اہلِ کمال اردو کو ریختہ اور بازاری زبان کہتے تھے اور اردو زبان میں اپنے مافی الضمیر کے اظہار کو معیوب سمجھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فارسی زبان مسندِ ادب پر جلوہ افروز تھی اور اہلِ کمال عام طور پر فارسی زبان میں شاعری کرتے تھے۔ ولی نے اردو غزل کو فارسی غزل کے ہم پلہ بنانے کی شعوری کوشش کی۔ ولی نے اپنی غزل کے دائرے میں حیات و کائنات کے رنگارنگ پہلوؤں کو نہایت خوبی کے ساتھ پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اردو زبان میں بھی فارسی غزل کے معیار کی غزل کہی جا سکتی ہے۔ اہلِ کمال نے جب ولی کی غزل سنی تو انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ ہم جس زبان کو عامیانہ اور بازاری زبان کہتے ہیں اس زبان میں اس قدر معیاری غزل بھی کہی جا سکتی ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ شمالی ہند میں اردو شاعری کی مقبولیت ولی اورنگ آبادی کی رہین منت ہے۔

غلام ہمدانی مصحفی نے 'تذکرہ ہندی' میں ولی کی اردو شاعری پر کچھ اس طرح تبصرہ کیا ہے-----

"جب ولی کا دیوان جلوس محمد شاہی کے دوسرے سال میں دلی پہنچا اور وہاں کے شعرا نے اس میں وہ رنگ و نور دیکھا جس کے دیکھنے کو ان کی آنکھیں ترستی تھیں، تو انہوں نے بھی فارسی کو چھوڑ کر اسی رنگ سخن کی پیروی شروع کر دی۔"

ولی ۱۶۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ ولی کے اصل نام اور جائے پیدائش کے تعلق سے محققین میں اختلاف ہے۔ محمد حسین آزاد نے 'آبِ حیات' میں شمس ولی اللہ تحریر کیا ہے، نصیر الدین ہاشمی اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے ولی محمد کو درست مانا ہے، کچھ محققین نے شاہ ولی اللہ، تو کچھ تذکرہ نگاروں نے محمد ولی لکھا ہے۔ البتہ لفظ 'ولی' تمام کے یہاں مشترک ہے۔ اسی طرح کچھ محققین کا کہنا ہے کہ ولی کا وطن اورنگ آباد ہے اور کچھ کی رائے ہے کہ ولی احمد آباد، گجرات کے متوطن تھے۔ البتہ ایک بات پر سبھی کا اتفاق ہے کہ ولی کی زندگی کا بڑا حصہ اورنگ آباد میں گزرا اور 'کلیاتِ ولی' میں بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ اردو شاعری میں ولی کا مقام ان کی غزلوں کے باعث ہے۔ ولی کی غزلوں میں جو حسن و جمال اور تازگی و شگفتگی ہے وہ ان کے ہم عصر شعرا کے ہاں نظر نہیں آتی۔ ولی کی شاعری نے اس دور میں عام آدمی ہی نہیں فنکاروں کو بھی مسحور کر دیا، یہی وجہ ہے کہ گیت موقوف ہو گئے اور قوال اور گلوکار بھی ولی کی غزلیں گانے لگے۔

ولی کے فن کے تعلق سے ڈاکٹر شارب ردولوی نے 'مطالعہ ولی : تنقید و انتخاب' میں یوں تحریر کیا ہے-----

"سادگی و روانی، رنگینی سرخوشی، نشاطیہ کیفیت، تشبیہات و استعارات کی جدت، معنی آفرینی، تاثرات حسیت، متنوع رمزیت اور ہندوستانی عنصر و فارسی کا خوبصورت امتزاج ولی کا فن ہے جس سے اُن کے کلام کا بیشتر حصہ روشن ہے۔"

ولی کا تصورِ حسن و جمال بے پناہ تھا۔ ولی کے جمالیاتی احساس نے اسے اردو غزل کا ایک عظیم پیکر تراش بنا دیا۔ ولی نے اپنی غزلوں میں جس معشوق کی تخلیق کی ہے وہ اُن سے پہلے اور شاید بعد میں بھی اردو شاعری میں نہیں ملتا۔ انہوں نے واقعیت اور تخیل کی مدد سے معشوق کے حسن کی مدح سرائی کی ہے۔ اُن کے اشعار سے معشوق کی خوبصورت تصویریں بنتی ہیں۔ اسی لیے ولی کو اردو غزل کا سب سے بڑا سراپا نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔

تجھ لب کی صفت لعل بدخشاں سوں کہوں گا
جادو ہیں تیرے نین غزالاں سوں کہوں گا

ولی دکنی کے کلام میں عشقِ مجازی کی ترجمانی کرنے والے اشعار جا بجا مل جاتے ہیں جن میں دلی جذبات و احساسات کی بڑی بے تکلف ترجمانی ملتی ہے۔ ولی کا عشق بڑا پاکیزہ اور معصوم ہے۔

اے نور جان و دیدہ تیرے انتظار میں
مدت ہوئی پلک سوں پلک آشنا نہیں

ولی کی غزلوں میں عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی جیسے موضوعات کا بڑا دل آویز اظہار ملتا ہے۔ ولی کے یہاں عشقِ مجازی ہی عشقِ حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ جو اللہ کی مخلوق سے محبت کرے گا وہ بالآخر اللہ سے عشق کرنے لگے گا۔

مجھے بولیاں کہ تُو واقف نہیں عشقِ حقیقی سوں

تو پھریوں ہے جا دا من پکڑ عشقِ مجازی کا

ولیؔ کی غزلوں میں سوز وگداز کی جو کیفیت پائی جاتی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ میر تقی میرؔ کی طرح وہ بھی کسی کی زُلفِ گرہ گیر میں گرفتار تھے۔انہوں نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا اور اُن کے دل پر بھی کسی کافر جمال معشوق نے تیر چلائے تھے۔مگر ولیؔ کی کیفیت میرؔ کے سوز وگداز سے قدرے مختلف ہے۔میرؔ کے ہاں سوز وگداز کی شدت ہے جب کہ ولیؔ کے ہاں اس کے برعکس سوز وگداز میں بھی ان کا احساسِ جمال کارفرما محسوس ہوتا ہے۔

آج تجھ یاد نے اے دلبر شیریں حرکات

آہ کو دل کے اُپر تیشۂ فرہاد کیا

ولیؔ کے ہاں معاملاتِ عشق کے بیان کی بجائے احساساتِ حُسن کا بیان زیادہ ہے۔وہ معاملاتِ عشق جن سے معشوق سے ملاقات اور گفتگو کا پہلو نکلتا ہے وہ سب ولیؔ کی شاعری کا خاصہ ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ ولیؔ کے اس طرز پر یوں تحریر کرتے ہیں۔۔۔۔۔

''ولیؔ نے فکر کی گتھیاں نہیں سُلجھائیں انھوں نے چاند کی چاندنی اور آفتاب کی حسرت انگیز دھوپ سپہر نیلگوں کی دلکش وُسعت اور صبح وشام کے دلآویز حُسن کا تماشہ بننا اور ان سے حواسِ ظاہر وباطن کو مسرور بنانا سیکھا اور سکھایا ہے۔ولیؔ فلسفۂ زندگی کے ترجمان شارح نہ تھے،جمالِ زندگی کے وصّاف اور قصیدہ خواں تھے۔''

ترا لب دیکھ حیواں یاد آوے

ترا مکھ دیکھ کنعاں یاد آوے

ترے دو نین دیکھوں جب نظر بھر

مجھے تب نرگساں یاد آوے

ولیؔ کا کلام پڑھنے کے بعد طبیعت پر افسردگی اور غم کی کیفیت طاری ہونے کی بجائے شگفتگی اور تروتازگی کا احساس ہوتا ہے۔اُن کے اشعار میں سُرور وطمانیت کی ایک دل نواز کیفیت پائی جاتی ہے۔

ہر ذرہ اس کی چشم میں لبریز نور ہے

دیکھا ہے جس نے حُسن تجلّی بہار کا

انگریزی شاعری کے باوا آدم چاسر سے ولیؔ کا موازنہ کرتے ہوئے نورالحسن ہاشمی اپنی کتاب 'ہندوستانی ادب کے معمار : ولیؔ' میں لکھتے ہیں۔۔۔۔۔

''ولیؔ کا موازنہ اکثر چاسر سے کیا جاتا ہے کیونکہ ولیؔ نے اُردو شاعری کو فروغ دینے میں اُسی طرح کامیابی حاصل کی جس طرح چاسر نے انگریزی کے فروغ دینے میں کامیابی حاصل کی تھی،یعنی انہوں نے ایسا طریقہ بیان ایسے لسانی انداز کے ساتھ وضع کیا

جو نہ صرف دکن بلکہ شمالی ہند میں بھی قابل قبول سمجھا گیا۔"

ولی ایک ذہین شاعر تھے، جنھوں نے مروجہ اظہار کے سانچوں کے جائزے کے بعد اپنی شعری بصیرت کی مدد سے اس بات کو بخوبی محسوس کر لیا تھا کہ اس وقت مروجہ زبان اعلیٰ شاعرانہ خیالات کے اظہار کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے از خود زبان کے سانچوں کو مرتب کیا۔ ہندی و فارسی زبانوں پر انہیں قابل تحسین دسترس تھی۔ اپنی اسی لسانی لیاقت کی بدولت ولی نے فارسی شاعری کے محاسن اور ہندی شاعری کی روایت کو ایک توازن کے ساتھ یکجا کیا، جس سے اردو شاعری کو ایک نہایت لطیف و دلکش سراپا مل گیا۔ ولی کے اس اچھوتے تجربے سے مروجہ تشبیہات اور استعاروں کو نئے مفاہیم اور تازگی ملی۔ ولی نے اپنی غزلوں میں خارجیت اور داخلیت کا بڑا حسین امتزاج پیش کیا۔ ولی کے اشعار اور مصرعوں پر دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنو کے اہلِ کمال شعرا نے غزلیں کہیں۔ اردو شاعری میں ولی نے جس روایت کی بنیاد ڈالی تھی وہ روایت آج بھی زندہ ہے۔ غرض یہ کہ خوبصورت تراکیب اور بہار آفریں الفاظ کا استعمال، مناسب بحروں کا انتخاب اور لسانی لیاقت جیسی با کمال شاعرانہ خوبیوں کی بدولت ولی دکنی کو اردو کا ایک عظیم غزل گو شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ولی کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے معروف شاعر شاہ مُبارک آبرؔو ولی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے یوں رطب اللسان ہیں۔

آبرو شعر ہے ترا اعجاز
پر ولی کا سخن کرامت ہے

حوالہ جات :

آبِ حیات — محمد حُسین آزاد
ولی سے اقبال تک — ڈاکٹر سید عبدُ اللہ
تذکرۂ ہندی — غلام ہمدانی مصحفی
ہندوستانی ادب کے معمار : ولی — نورالحسن ہاشمی
مطالعہ ولی : تنقید و انتخاب — ڈاکٹر شارب ردولوی